بشارات وفضائل کی دو قسمیں اور حدیث مغفور

ابوطلحہ عثمان ایم اے

مغفرت کا مادہ ''غ، ف، ر'' ہے۔ جس کا معنی ہے بخشش، بچاؤ اور عدم جواب طلبی ہے۔ اسی لفظ سے اللہ کے کئی صفاتی نام غفور، غفّار، غافر الذنب بنے ہیں، مِغْفر ڈھال کو کہتے ہیں جو جنگ میں استعمال کی جاتی تھی تا کہ تلوار کے وار سے محفوظ رہا جا سکے۔ ارشادِ نبوی ہے: '' مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ......'' اسی طرح کئی دوسری احادیثِ رسول جن میں اعمال کی فضیلت کا ذکر ہے مثلاً ''جو کوئی اچھی طرح وضو کرے پھر کھڑے ہو کر کلمہ شہادت پڑھ لے اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں''۔ ''حج کی نیت سے وقوف عرفہ کرنے والے کے لیے بشارت ہے کہ اس کے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں...... گویا اس کی ماں نے آج ہی اُسے جنم دیا ہے''۔ مسلم شریف میں ہے ''جو مسلمان اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے اس کے لیے جنت ہے''۔ بخاری شریف میں ہے ''حج مبرور کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں''۔ بیسیوں دیگر احادیث میں ایسی بشارتیں موجود ہیں...... ان بشارات کا تعلق مخصوص اعمال کے ساتھ ہے، افراد کو نامزد نہیں کیا گیا۔

دوسری طرف ایسی بشارات ہیں جن کا تعلق افراد یا مخصوص جماعت کے ساتھ ہے مثلاً ایک غلام نے آ کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) حاطب ضرور جہنم میں داخل ہوگا'' ارشاد فرمایا: ''تو نے جھوٹ کہا، وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا کیونکہ وہ بدر اور حدیبیہ میں حاضر ہوا ہے''۔ (مسلم: ۲۴۹۵)

ایک دوسری حدیث میں واقعہ مذکور ہے جس میں حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے نبی پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک جنگی راز فاش ہو گیا تھا۔ جب ثبوت مل گیا اور انھوں نے اقرار بھی کر لیا تو دینی غیرت کی بنا پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اجازت دیجیے! میں اس کی گردن مار دوں''۔ (آدابِ نبوّت اور غیرتِ دینی دیکھیے کہ از خود عمل کی جرأت نہیں کر رہے۔ جنگی راز فاش کرنے کی سزا موت ہی ہے مگر نبی کی اجازت کے بغیر صحابہؓ کچھ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے)۔ ارشادِ نبوی ہوا: ''عمر! وہ بدر میں شامل ہوا ہے اور اللہ نے فرما دیا ہے اے اہلِ بدر! اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ۔ یعنی اے اہلِ بدر! اب تم جو چاہو کرو، بے شک میں تمھاری مغفرت کر چکا ہوں''۔ (بخاری: ۳۰۰۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ پر کھڑے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی موجود ہیں۔ پہاڑ پر زلزلہ آ جاتا ہے، (یا شاید ایسی مقدس ہستیوں کی موجودگی پر وہ خوشی سے جھوم اٹھا ہے)۔ نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''اے پہاڑ! تو کیوں ہلتا ہے تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں''۔ پہاڑ تھم جاتا ہے۔ حدیث رسول میں دس صحابہ کا نام لے کر انھیں جنت کی خوشخبری دی گئی...... **ابوبکر فی الجنة عمر فی الجنة عثمان فی الجنة علی فی الجنة زبیر فی الجنة طلحة فی الجنة سعد بن ابی وقاص فی الجنة سعید بن زید فی الجنة عبدالرحمٰن ابن عوف فی الجنة ابو عبیدہ ابن الجراح فی الجنة۔**
اسی ارشادِ رسول (ﷺ) اور اسی بشارت کی بنا پر ان دس مقدس ہستیوں کو ''عشرہ مبشرہ'' (دس جنت کی خوشخبری پانے والے) کہا گیا۔ کیا کوئی دشمنِ دین کہہ سکتا ہے کہ یہ بشارت ان دس کے ساتھ اُن کے اعمالِ صالحہ پر رہنے اور آخر دم تک ایمان اور تقویٰ پر جمے رہنے سے مشروط تھی؟ اور یہی عشرہ مبشرہ تو بدر میں بھی حاضرت تھے۔ پھر یہی عشرہ مبشرہ غزوۂ حدیبیہ میں بھی حاضر تھے تو گویا ''اِن مقدسین کو بار بار مغفرت وجنت کی بشارت'' دی جارہی ہے۔ بعض اہلِ علم نے ایک نکتہ دیا کہ غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو مدینہ ہی میں رہ گئے تھے، وہ بدر میں حاضر نہ تھے، جواب یہ ہے کہ اُن کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا تھا ورنہ وہ تم ہمسفری کے لیے بے قرار تھے۔ یہاں خود بنتِ نبی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری میں اُن کی خدمت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مدینہ میں ٹھہرا دیا اور واپسی پر دوسرے غازی مجاہدین کی طرح اُن کو بھی غنیمت میں پورا پورا حصہ دیا تھا تو گویا نیت میں اور غنیمت میں وہ بدر کے شرکاء کی طرح تھے اور عمل میں حکمِ نبی علیہ السلام پر عامل......کوئی دشمنِ صحابہ رضی اللہ عنہم یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ بے شک غزوۂ حدیبیہ کے مجاہدین اصحابِ رسول کے لیے وحیِ الٰہی اور حدیثِ رسول میں بخشش اور دخولِ جنت کا ذکر ہے مگر ''عثمان'' وہاں بھی موجود نہیں تھے۔ جواب تو موجود ہے، اگر عقل کھو نہیں گئی تو تھوڑا سا غور کریں۔ سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ سمیت چودہ سو صحابہ موجود ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم عمرہ کی نیت سے مدینہ سے احرام باندھ کر اور حرم میں قربانی کے لیے جانور لے کر پہنچے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ نبی کا ارادہ قطعاً لڑائی کا نہیں، مشرکین مکہ نے راہیں بند کر دی ہیں۔ احترامِ حرم کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی کا ارادہ نہیں کر رہے۔ قریشِ مکہ کے سفیر آتے ہیں کہ واپس چلے جاؤ، ہم تمھیں عمرہ نہیں کرنے دیں گے۔ محبوب ومحترم بیت اللہ کی زیارت کے لیے جبکہ فاصلہ چند کلومیٹر رہ گیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ نبی شوق زیارت بیت اللہ کے لیے بے قرار ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش ہے، کسی طرح صلح صفائی کے ساتھ ہمیں زیارت بیت اللہ اور عمرہ کا موقع مل جائے۔ اسی مقصد کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیرِ نبوّت بنا کر مکہ بھیجا جاتا ہے۔ وہ بھرپور سفارتکاری کرتے ہیں، قریشی سرداروں سے ملتے ہیں، مگر وہ کہتے ہیں: ''عثمان! تم آ گئے ہو، چلو تم عمرہ اور طواف کرلو مگر ہم تمھارے نبی اور اُن کے

ساتھیوں کو اجازت نہیں دے سکتے''۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پروانے کی طرح تڑپ کر بولتے ہیں: ''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرا نبی طواف سے روک دیا گیا ہو اور میں طواف کرلوں''۔ یہ محبت بھرا جواب قریشی سرداروں کو برا لگا۔ انھوں نے پروانۂ رسول عثمان (رضی اللہ عنہ) کو نظر بند کر دیا۔ مسلمانوں کا ردِ عمل معلوم کرنے کے لیے مشہور کر دیا گیا کہ عثمان سفیرِ رسول شہید کر دیے گئے ہیں، بس اس بات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ نبی تڑپ کر رہ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے بیعت علی الموت لی۔ ''اسلحہ تو نہیں ہے مگر ہم عثمان کا بدلہ لے کر جائیں گے''۔ چودہ سو صحابہ بیعت کر رہے ہیں، عثمان تو نہیں ہیں۔ مگر سوچنے کی بات ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ عثمان (رضی اللہ عنہ) تو محمد رسول اللہ کے سفیر بن کر مشرکین مکہ کی حبسِ بے جا میں پڑے ہیں مگر جب ایک کم چودہ سو نے بیعت کر لی تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بیعت بہت عظمت و رفعت والی ہے اس سے عثمان کیوں محروم ہیں اور آنے والے وقتوں کے منافقین معاندین کا منہ بھی بند کرنا تھا، نبوت نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ رکھا اور چودہ سو کے سامنے فرمایا: ''دیکھو یہ میرا ہاتھ ہے اور یہ عثمان کا ہاتھ، میں عثمان کی طرف سے بھی بیعت کا اعلان کرتا ہوں''۔ بس اُسی دم جبریلِ امین بھی آپہنچے، یا رسول اللہ! اللہ فرماتے ہیں: '' یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ '' ، ہم بھی تمھاری بیعت میں شامل ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ''۔ تو اب عقل و دانش و ہوش سے کام لیجیے! عثمان رضی اللہ عنہ غیر حاضر ہیں یا حاضر سے بھی کچھ اوپر ہیں۔ یہ چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے لیے لی جا رہی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دے رہے ہیں......ضد اور بغض و عناد کا علاج تو ہے نہیں، شاید اسی چیز کے افہام و تفہیم کے لیے دس خوش نصیبوں کو نام بہ نام جنت کا بشارت یافتہ بنایا جا رہا ہے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) غاصب کہنے والو! تم بھی سن لو وہ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں، ذی النورین سے عناد رکھنے والو! وہ جنتی ہیں، سیدنا علی شیرِ جلی رضی اللہ عنہ کی خامیاں تلاش کرنے والو! وہ جنتی ہیں، طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما پر تبرّا کرنے والو! ان میں سے پہلے خوش بخت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق سے زندہ شہید اور دوسرے خوش نصیب کو جنت میں نبی کا حواری کہا جا چکا ہے اور یہ دونوں بھی بشارت یافتہ دس جنتیوں میں شامل ہیں، اسی طرح سعد و سعید اور ابوعبیدہ بن الجراح اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم جیسے مجاہدین اور فاتحین فارس و عراق اور شام والوں سے عداوت رکھنے والو! یہ دس کے دس جنتی ہیں۔ تم ان کو جمل و صفین میں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے دیکھ کر بھول نہ جانا، اپنی عاقبت خراب نہ کر لینا، یہ دس کے دس جنت میں ایک دوسرے کے سامنے رب کے عطا کردہ تختوں پر

شاداں وفرحاں بیٹھے ہوں گے۔

اگرچہ اللہ نے اپنی لاریب کتاب میں خبر دی ہے اوراس کی کوئی خبر نادرست ہو، یہ ممکن ہی نہیں۔اس نے خبر دی ہے، جملہ فعلیہ، فعل ماضی پکی خبر، غیر مبدّل خبر ہے: ''رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ ''۔اللہ اُن سے راضی ہو چکا اور وہ اللہ کے اس راضی ہونے سے شاداں وفرحاں ہو چکے...... '' وَ کُلًّا وَّ عَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی '' اوراس اللہ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے جن کا وعدہ کرلیا...... '' وَ کَانَ وَعْدُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا '' اوراللہ کا وعدہ پورا ہوکر رہے گا۔

بقول سید نورالحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ اُمّت کو اپنے اعمال کے مقابل تولا جائے گا مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعمال کا ذکر ہی نہیں۔ایک طرف کے پلڑے میں اُن کی صحابیتِ رسول رکھی جائے گی اور دوسری طرف اُن کو رکھا جائے گا اور اُن کو کامیاب قرار دے دیا جائے گا۔ والّذین مَعَہٗ صحابہ کی صحابیت اور معیتِ رسول ہی اُن کی کامیابی کی ضامن بن جائے گی۔

تو یہاں بشارت کی دوسری قسم کی بات ہوئی یعنی اس بشارت کا تعلق شخصیات اور جماعت کے ساتھ ہے۔اب ایسے شخص کی جہالت اور حماقت یا دناءت وسفاہت میں کیا شک رہ جاتا ہے جو ان مقدس شخصیات اور اس مقدس جماعت کو دی گئی بشارت کا تقابل بشارت اعمال، فضائلِ اعمال کے ساتھ کرے۔اعمال کا تعلق کسی شخص، کسی جماعت، کسی علاقہ، کسی زمانہ کے ساتھ نہیں ہوتا۔قیامت تک پیدا ہونے والے لوگوں میں سے جو بھی ان اعمال کو اپنائیں گے وہ ان بشارتوں کے مستحق بنیں گے۔کسی بھی لمحے اگر وہ اِن اعمال کا انکار کر دیں گے تو فضیلت و بشارت سے محروم ہو جائیں گے اور عمل کی صورت میں بھی استحقاق کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا کیونکہ ان کے خلوص یا، رِیا کو اللہ ہی جانتا ہے اور وہ مالک یوم الدین ہے۔یہ فیصلہ اللہ ہی کرے گا۔ یہاں اعمال کی فضیلت بتانا مقصود ہوتی ہے اور خصوصاً غیر از اصحاب رسول کے لیے۔کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے لیے لسانِ وحی ترجمان سے ایک اور اعلان بھی ہو چکا ہے: ''لَا تَمَسُّ النَّارُ مَنْ رَاٰنِیْ اَوْ رَاٰ مَنْ رَاٰنِیْ'' (حدیث رسول) یعنی میرے دیکھنے والوں کو آگ چھوئے گی بھی نہیں اور نہ ہی میرے صحابہ کے دیکھنے والوں کو آگ چھوئے گی۔ یہاں بھی صرف رؤیتِ رسول یعنی صحابیت کو آگ سے آزادی گویا جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔اعمال کا کوئی ذکر نہیں...... کیونکہ اعمالِ خیر اور جہاد فی سبیل اللہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی صفات بن چکی ہیں، وہ ان کے اعمال سے کہیں بلند و بالا اُن کے مقدس اجساد وارواح کی صفاتِ لازمہ بن چکی ہیں یعنی جو صحابی ہے یا صحابہ کا دیکھنے والا (یعنی تابعی) تو اُن کے اعمال کا ذکر اس لیے غیر ضروری ہوا کہ وہ تو '' اَلْزَمَھُمْ کَلِمَةَ التَّقْوٰی وَ

كَانُوْا أَحَقَّ بِهَا وَ أَهْلَهَا......''۔سورج سے دھوپ اور روشنی جدا نہیں تو صحابہ سے تقویٰ جدا نہیں کیا جاسکتا، تقویٰ کے سب سے زیادہ حق دار اور اہل یہی خوش نصیب ہیں۔تو گویا اعمال، صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے بعد کے لوگوں کے پوچھے اور پرکھے جائیں گے۔صحابہ رضی اللہ عنہم کے نہیں۔

یہی اعمال، وضو کی فضیلت، نماز کی فضیلت، صیام و قیام کی فضیلت، عمرہ و حج کی فضیلت، اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے اور شہادت کا اعلیٰ درجہ پانے کی فضیلت مگر ان فضائل میں کیا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث مبارکہ بھلا دی جائے گی کہ حساب کے دن ایک ریا کار عالم کو بلایا جائے گا، ایک ریا کار سخی کو بلایا جائے گا، ایک ریا کار مجاہد و شہید کو بلایا جائے گا اور ان کو بتایا جائے گا کہ تم نے یہ اعمال میرے لیے نہ کیے تھے اور پھر اُن کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔لیکن کیا صاحبِ عقل و ایمان یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرات صدیق و فاروق، غنی و علی، حضرات عشرہ مبشرہ، اہلِ بدر، اہل بیعت رضوان (رضوان اللہ علیہم اجمعین) و دیگر بشارت یافتہ حضرات کو اعمال کے فضائل کی طرح خلوص و ریا میں تقابل کیا جاسکتا ہے؟ یہ لوگ تو نام بہ نام مغفور اور مبشر بالجنت ہیں۔

بشارات کی اس دوسری قسم کا تعلق مخصوص افراد یا جماعت کے ساتھ ہوتا ہے۔خاص زمانہ، خاص علاقہ، خاص افراد اور خاص جماعت کو متعین کر لیا جاتا ہے جیسے صدیق و فاروق، غنی و علی، اصحاب عشرہ مبشرہ، اصحاب بدر، اصحاب رضوان، مجاہدین غزوۃ البحر سیدنا معاویہ اور مجاہدین غزوۃ مدینہ قیصر سیدنا ابوایوب، سیدنا حسین بشمول دیگر مجاہدین اور اُن کے امیر وصی ابی ایوب ابن امیر معاویہ رضی اللہ عنہم۔

پہلی قسم کی بشارت کا تعلق فضائلِ اعمال کے ساتھ ہوتا ہے، افراد متعین نہیں ہوتے، اس لیے ہر فرد اس کا مستحق نہیں کہلا سکتا جبکہ دوسری قسم کی بشارت میں افراد ہی کو متعین کر دیا جاتا ہے، اِن کا اس بشارت سے الگ کیے جانے یا خارج کیے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔پہلی قسم کی بشارت میں جن اعمال کی بشارت کا ذکر ہوتا ہے اُن اعمال کی حقیقت سے اللہ اچھی طرح واقف ہے۔دوسری قسم کی بشارت میں افراد یا جماعت کی فضیلت بتائی جاتی ہے، ان افراد یا جماعت کی حقیقت سے اور اُن کی پوری زندگی کے کارناموں سے اللہ اچھی طرح واقف ہوتا ہے اس لیے ناممکن ہے کہ ان میں سے کسی کے ساتھ کوئی ایسی برائی جڑ جائے جو انھیں بشارت سے محروم کردے۔ایسی صورت میں اللہ کے علم میں نقص لازم آئے گا جو ناممکن ہے۔

پہلی قسم کی بشارت کا تعلق فضائل اعمال کے ساتھ ہے کہ جب وہ عمل پایا جائے گا تو فضیلت حاصل ہوگی جبکہ دوسری قسم کی بشارت میں فضیلت خبر کی صورت میں ہے اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبر کبھی غلط نہیں ہوسکتی۔اس

دوسری قسم کی بشارت میں مغفرت کا مطلب قطعی جنتی ہونا ہے کیونکہ اللہ کی طرف سے جو خبر ہوتی ہے وہ مغفرت کی قطعیت پر دلالت کرتی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ فرماتے ہیں:'' وَالْجَیْشُ عَدَدٌ مُعَیَّنٌ لَا مُطْلَقٌ ''(منہاج السنۃ، ج:۴، ص:۵۷۲)

یہ اس حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے کہ '' اَوَّلُ جَیْشٍ یَّغْزُوْنَ مَدِیْنَۃَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ ''(بخاری)

قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والا پہلا لشکر بخشا بخشایا ہے۔ حدیث قسطنطنیہ میں جو مغفرت کی بشارت دی گئی ہے وہ بشارت کی دوسری قسم میں سے ہے۔ لفظاً و معناً، خاص علاقہ، خاص زمانہ، خاص افراد اور خاص جماعت یہاں مراد ہے۔ اس بشارتِ مغفرت میں افراد، جماعت، علاقہ اور زمانہ کا تعین کر دیا گیا ہے۔ اس میں بتائے گئے افراد کا تعین حدیث، تفسیر، اور تاریخ وسیرت میں کر دیا گیا ہے۔ ان افراد کی پوری حقیقت اللہ کے علم میں تھی جس کا اظہار وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ، زبان وحی ترجمان کے ذریعے متعین کر دیا گیا۔ اس حدیث میں بشارت بصورتِ خبر ہے جو من عند اللہ و عند الرسول ہونے کی وجہ سے کبھی غلط نہیں ہوسکتی۔ اصحابِ بدر ہوں، اصحاب بیعتِ رضوان ہوں یا مجاہدین حدیث مغفور یہ خبر اُن کی مغفرت کی قطعیت پر یعنی اُن غازیان اوّل جیش کے جنتی ہونے پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ اہلِ بدر کے بارے میں وضاحت ہو چکی۔

صغائر و کبائر کی مغفرت کی بحث میں علماءِ کرام نے پہلی قسم (فضائلِ اعمال) کی بشارت کے ضمن میں کی ہے، جہاں تک دوسری قسم کی بشارت کا تعلق ہے تو علماءِ کرام نے یہاں صغائر و کبائر کی کسی قسم کی کوئی بحث نہیں کی ہے بلکہ یہاں بالاتفاق کُلّی مغفرت یعنی جنتی ہونا مراد لیا ہے جیسے اہلِ بدر کا معاملہ مذکور ہوا۔

صحیح بخاری میں کئی احادیث جن میں کسی خاص شخص کی مغفرت کی بات ہے، اس سے اس کی کلّی مغفرت یعنی اُس کا جنتی ہونا مراد لیا گیا ہے۔ مثلاً حدیث نمبر: ۳۴۷۰ میں سو کے قاتل کا ذکر ہے اور پھر فرمایا فَغُفِرَ لَهٗ ، تو اس سے کلّی مغفرت مراد ہے۔ اسی طرح اہلِ بدر کے بارے میں فرمایا:'' فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ '' یہاں یہ کہنا کہ مغفرت سے مراد صرف صغائر کی مغفرت ہے پرلے درجے کی حماقت ہے۔

بہر حال جیش مغفور کی بشارت کا تعلق فضیلتِ اعمال سے ہے ہی نہیں بلکہ اس کے لیے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ فلاں شخص یا جماعت اُس بشارت میں شامل ہے۔ واللہ اعلم